رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحیثیت جرنیل

کسی شخص کی عظمت کا صحیح مقام متعین کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ دنیا میں اس فن کے نامور ماہرین سے اس کا تقابل کر کے دیکھا جائے۔ اس غرض کے لیے ہم مختلف ادوار کے مندرجہ ذیل تین نامور جرنیلوں کا انتخاب کرتے ہیں :

(۱) سکندرِ اعظم۔ یونان کا بہت بڑا فاتح اور جرنیل، اس کا دَور حضورِ اکرمؐ سے نو صدی پہلے کا ہے۔

(۲) چنگیز خاں۔ مشرقِ وسطیٰ کا بڑا فاتح اور جرنیل، اس کا دَور حضورؐ سے چھ صدی بعد کا ہے۔

(۳) نپولین بونا پارٹ۔ فرانس کا فاتح اور جرنیل، اس کا دَور حضور اکرمؐ سے بارہ صدی بعد کا ہے۔

ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ان تینوں جرنیلوں کے مفصل سوانح حیات لکھ کر تقابل کریں۔ بغرضِ اختصار ہم ان کے کارناموں کے حالات انسائیکلوپیڈیا اُردو مطبوعہ فیروز سنز سے نقل کرتے ہیں۔ ان حالات کے علاوہ تقابل کے وقت اگر کسی تفصیل کی ضرورت پیش آئی تو وہ بحوالہ درج کر دی جائے گی۔

سکندرِ اعظم :

(۳۵۶ —— ۳۲۳ ق م) دنیا کا عظیم فاتح۔ یونان کی ایک ریاست مقدونیہ کے بادشاہ فلپ کا بیٹا تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد ۳۳۶ ق م میں تخت پر بیٹھا اور آس پاس کے بہت سے چھوٹے چھوٹے ملکوں کو فتح کیا۔ ۳۳۴ ق م میں ایران پر حملہ کرنے کا عزم کیا۔ ایک بڑی فوج لے کر ایشیا کی طرف بڑھا۔ پہلے ترکی فتح کیا، پھر شام کے ساحل پر قبضہ کر لیا، اور ایران کی بحری طاقت کا خاتمہ کر دیا۔ مصر نے جنگ بغیر ہی اطاعت کر لی۔ وہاں اس نے شہر اسکندریہ کی بنیاد رکھی۔ پھر عراق کا رخ کیا۔ عراق اور ایران پر قبضہ کیا اور

بادشاہ کو شکست دی - پھر وہ درۂ خیبر کی راہ ہندوستان میں داخل ہوا - (۳۲۶ ق-م میں) یہاں دریائے جہلم کے کنارے راجہ پورس نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا - لیکن شکست کھائی - سکندر پورے ہندوستان کو فتح کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا مگر اس کی فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا - چنانچہ وہ دریائے سندھ اور ساحل مکران کے راستے عراق کے شہر بابل پہنچا - یہاں اسے بخار آیا اور وہ عین جوانی میں فوت ہو گیا اور اس کی وسیع سلطنت بہت سے ٹکڑوں میں بٹ گئی -

پاک و ہند پر اس کے نائب بھی زیادہ عرصہ قبضہ قائم نہ رکھ سکے - ۳۱۷ ق م تک یہاں یونانیوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا - پاک و ہند کی تاریخ پر اس حملہ نے کوئی دیرپا اثر نہیں چھوڑا -

چنگیز خاں :

۱۱۶۲ء تا ۱۲۲۷ء - اصلی نام تیموجن تھا - چنگیز لقب جس کے معنی ہیں کامل سپاہی - دریائے اولون کے کنارے ایک خیمہ میں پیدا ہوا - ابھی تیرہ برس کی عمر کا تھا کہ دیرینہ مخاصمت (FEUD) پر مبنی ایک لڑائی میں اس کے باپ کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا - اس طرح چھوٹی سی عمر میں چنگیز خاں کو اپنے قبیلہ کی سرداری سنبھالنا پڑی - برسر اقتدار آتے ہی چنگیز خاں نے ذہانت اور فوجی چالوں سے بہرہ وری کا ثبوت دینا شروع کیا اور تھوڑی ہی مدت میں اپنے باپ کا انتقام بھی لے لیا اور تمام منگول قبائل پر ذاتی تسلط قائم کر لیا - اس کے بعد لشکر کشی کا وہ دَور شروع ہوا جس کے دوران میں منگول (بمعنی بہادر) فوجوں نے اس وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا - جسے سُن کر دُور دُور بسنے والوں کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے - چنگیز کی فوجوں کی یلغار کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۲۲۷ء میں جب اسے موت نے آن دبوچا، اس وقت اس کی سلطنت کی حدود ایک طرف دریائے والگا سے بحرالکاہل تک اور دوسری طرف سائیبیریا سے خلیج فارس تک پھیلتی چلی گئی تھیں مؤرخین کا خیال ہے کہ چنگیز کی کامیابی کا راز اس کی ماں ہوئلم کی تربیت اور اس کے جرنیلوں سوبتائی وغیرہ کی قابلیت میں مضمر ہے -

نپولین بونا پارٹ :

(۱۷۶۹ — ۱۸۲۱ء) فرانسیسی جرنیل اور بادشاہ - انقلاب فرانس کے دوران

سب سے پہلی کامیابی تولان کے محاصرے میں توپ خانے کی مدد سے حاصل کی۔ اس کے بعد اٹلی میں جمہوری فوج کے کماندار کی حیثیت سے پے در پے فتوحات حاصل کیں۔ اور قومی ہیرو بن گیا۔ ۱۷۹۷ء میں مصر میں برطانیہ ایک مہم کا کماندار ہو کر گیا۔ ۱۷۹۹ء میں موسم خزاں میں پیرس واپس آگیا اور حکومت کا تختہ الٹ کر خود قونصل اول بن گیا۔ ۱۸/مئی ۱۸۰۴ئہ کو اپنے شہنشاہ ہونے کا اعلان کیا۔ ۱۸۰۵ء میں آسٹریا اور ۱۸۰۶ئہ میں جرمنی کو شکست دی۔ اپنی بے اولاد بیوی جوزفیائن کو طلاق دے کر شاہ آسٹریا کی بیٹی ماری لوئیزا سے شادی کی ۱۸۱۲ء میں روس پر حملہ کیا مگر شکست کھائی۔ ماسکو سے پسپا ہوتے وقت اس کی تقریباً ساری فوج تباہ ہوگئی۔ ۱۸۱۳ء میں پروشیا اور آسٹریا نے روس کے ساتھ مل کر اسے شکست فاش دی۔ نپولین تخت سے دست بردار ہو گیا اور ایلبا کے جزیرے میں قید کر دیا گیا۔ مگر سو دن کے بعد وہاں سے نکل گیا۔ فرانس واپس آیا اور فوج جمع کر لی۔ لیکن ۱۸/جون ۱۸۱۵ء کو واٹرلو کے میدان میں اسے شکست ہوئی اور سینٹ ہیلنا کے جزیرے میں جلاوطن کر دیا گیا اور وہیں مر گیا۔

مندرجہ بالا ماہرین حرب جرنیلوں کا تقابل

۔ زندگی کا صرف ایک پہلو :

جیسے مذکورہ بالا تینوں جرنیل، جرنیل بھی تھے، فاتح بھی اور بادشاہ بھی اور یہ تینوں باتیں یک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ گویا یہ تینوں جرنیل ایک مخصوص پہلو میں نامور ہوئے۔ جبکہ حضور اکرمؐ کی اصل حیثیت اللہ کے رسول کی ہے۔ آپ نبی بھی تھے، شارع بھی، مزکی ملاق بھی تھے اور مربی بھی، مقنن بھی تھے اور جج بھی۔ سپہ سالاری آپؐ کی جزوی خوبی تھی۔ س پہلو میں بھی آپؐ نے ایسے کمال کا مظاہرہ کیا کہ باقی تمام ماہرین فن آپؐ کے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں۔

۔ فنون سپہ گری سے سابقہ واقفیت :

سکندر اعظم مقدونیہ (یونان) کے بادشاہ کا بیٹا تھا۔ چنگیز خاں کا پڑدادا البخہ ائلی بادشاہ، یہ دونوں جرنیل فن سپاہ گری سے آبائی طور پر آشنا تھے۔ نپولین بوناپارٹ نے خود فوج میں بھرتی ہو کر یہ فن سیکھ لیا تھا۔ مگر حضورؐ کا بچپن پہلے بکریاں چرانے میں،

پھر کچھ عرصہ تجارت میں اور نبوت کے بعد جوانی اہل مکہ کے ظلم سہنے میں گزری، فنون سپہ گری سے واقفیت کہاں پیدا ہوئی۔ ہجرت سے پہلے آپؐ صادق اور امین کے ناموں سے تو مشہور تھے۔ لیکن کسی نے آپؐ کو تیر انداز یا نیزہ باز کبھی نہیں کہا تھا۔ اور جب آپؐ مدینہ تشریف لے گئے۔ اور آپؐ کو صرف فن سپہ گری کا ہی نہیں بلکہ سپہ سالاری کی ذمہ داری ادا کرنے کا موقعہ پیش آیا۔ تو آپؐ نے اس میں وہ کمال دکھلایا کہ دنیا حیران ہے۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ سکندر عین نوجوانی کے عالم میں یعنی ۲۰ سال کی عمر میں ہی کشور کشائی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ چنگیز ۱۲ سال کا تھا کہ اس کا باپ لڑائی میں مارا گیا تو وہ اس طرف متوجہ ہوا۔ نپولین سترہ سال کی عمر میں بھرتی ہوا۔ گویا یہ تینوں جرنیل آغاز جوانی سے فن حرب وضرب میں مشغول ہو گئے تھے۔ لیکن آپؐ کو جب یہ خدمات سرانجام دینی پڑیں تو اس وقت آپؐ کی عمر ۵۴ سال تھی۔ جوانی رخصت ہو چکی تھی اور بڑھاپے کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ اس دور زندگی میں اس فن کو ہاتھ میں لے کر یہ کمال دکھانا بھی شاید تاریخ میں اور کہیں نہ مل سکے گا۔

۲۔ سابقہ فوج :

سکندر اعظم، چنگیز خاں اور نپولین کے سپاہی فن سپہ گری اور اس کے نظم وضبط سے پوری طرح آشنا تھے۔ لیکن حضور اکرمؐ کو جس قوم سے واسطہ پڑا، وہ نظم وضبط کو اپنی توہین اور آزادی میں حائل تصور کرتی تھی۔ نسلی مفاخرت ان کی گھٹی میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہ آپؐ ہی کا کارنامہ تھا کہ آپؐ نے اس قوم کے ذہن اس قدر بدل دیے کہ جنگ موتہ (۸ھ) میں آپؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کو سپہ سالار لشکر مقرر کیا تو ان کی ماتحتی میں بڑے بڑے معزز صحابہ کرام اور سرداران قریش اس جہاد میں روانہ ہوئے۔

علاوہ ازیں آپؐ کی فوج کے لوگ قبائلی امتیاز کی بنیاد پر ایک دوسرے کی جانوں کے پیاسے تھے۔ آپؐ نے ان میں ایسی ہمدردی، محبت اور اخوت باہمی کے جذبات پیدا کر دیئے جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔ قرآن کریم اس یکجہتی کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

"وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا" (آل عمران: ۱۰۳)

"اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو۔ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو
اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی ہے اور تم اس کی مہربانی سے
بھائی بھائی بن گئے"
بلاشبہ چنگیز خاں نے بھی اپنے چچازاد بھائیوں کو ساتھ ملا کر یک جہتی پیدا کرنے میں نمایاں اہلیت کا ثبوت دیا۔ لیکن اس نے جن لوگوں کو اکٹھا کیا اور جتھہ بندی کی، ان کا مفاد مشترکہ تھا اور وہ تھا ہوس ملک گیری۔ لیکن آپؐ نے جن لوگوں کو اکٹھا کیا۔ ان کے سامنے دنیوی مفاد کے بجائے مصائب و تکالیف کے پہاڑ نظر آتے تھے۔ یہ لوگ مسلمان پہلے تھے اور فوجی بعد میں بنے۔

۱۔ مادی وسائل :

سکندر اعظم جب یونان سے نکلا تو ۲۰ ہزار کی مسلح فوج اس کے ہمراہ تھی۔ چنگیز خاں نے اپنے پڑدادے کی اولاد میں یک جہتی پیدا کرنے میں ۲۰ سال صرف کر دیئے۔ اور جب وہ خوارزم شاہ کے مقابلہ میں نکلا تو بیس ہزار مسلح افواج اس کے ساتھ تھیں۔ نپولین کو حکومت فرانس کی تربیت یافتہ فوج ۲۰ ہزار کی تعداد میں مہیا ہو گئی تھی۔ لیکن جب آپؐ کو بدر میں پہلی جنگ لڑنا پڑی تو آپؐ کے پاس کیا تھا۔ صرف تین سو افراد، وہ بھی ایسے جو یہ بھی پوری طرح نہ جانتے تھے کہ ہمیں قریش کے قافلہ تجارت کا رُخ کرنا ہے یا کفار کے اس مسلح لشکر سے پالا پڑنے والا ہے، جو قافلہ تجارت کی حفاظت کے لیے آرہا ہے۔ پھر جب حالات نے یہ فیصلہ کر دیا کہ قریش کے مسلح لشکر سے مقابلہ ہوگا۔ تو ان میں سے بھی کچھ مسلمان ایسے تھے جو دل چھوڑ بیٹھے تھے۔ کیوں کہ انہیں اپنی موت سامنے نظر آرہی تھی۔ قرآن کریم نے اس منظر کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے :

"كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ
لَكَارِهُونَ ۔ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ

لہ ایک ہندو مصنف موتی لال ماتھر، اسلامی اخوت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے :
"اب میں اس تعلیم کا نتیجہ دکھلاتا ہوں۔ جس نے مسلمانوں کے اندر اخوت و اتحاد اور محبت و مروت کا ایسا گہرا رشتہ قائم کر دیا تھا جس نے چند ہی سالوں میں دنیا کی جغرافیائی تقسیم کو یکسر بدل دیا تھا اور آج بھی اس کا اثر دنیا کی تاریخ اور جغرافیہ پر باقی ہے۔ یعنی دنیا کے ایک حصہ کو اسلامی ممالک کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔" (سرورِ کونین ص ۴۴)

إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۔

"جیسے تمہارے پروردگار نے تمہیں تمہارے گھر سے نکالا۔ اور اس وقت مومنوں کی ایک جماعت ناخوش تھی۔ وہ لوگ حق بات میں اس کے ظاہر ہوئے پیچھے تم سے جھگڑنے لگے گویا موت کی طرف دھکیلے جاتے ہیں اور وہ اسے دیکھ رہے ہیں۔"

اب صورت یہ ہوئی کہ ایک طرف صرف ۳۱۲ آدمی ہیں جو پوری طرح مسلح بھی نہیں۔ اور جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنگ لڑنا پڑے گی تو ان میں سے اکثر دل چھوڑ بیٹھے ہیں۔ پھر ان کے اپنے کھانے پینے کے سامان کی سخت قلت ہے اور سامان جنگ کی بھی۔

اور دوسری طرف صورت یہ ہے کہ لشکر کی تعداد مسلمانوں سے تین گنا سے بھی زیادہ ہے۔ یہ سب لوگ مسلح ہو کر نکلے ہیں اور اس ارادہ سے نکلے ہیں کہ تجارتی قافلہ کو مسلمانوں کی دست برد سے بچا کر لانا ہے۔ اور اسی مڈبھیڑ میں مسلمانوں کا استیصال بھی کرنا ہے۔ لہٰذا ان کے ساتھ اسلحہ جنگ بھی وافر مقدار میں ہے۔ گھوڑے بھی بہت ہیں۔ فوج بہادرانِ قریش پر مشتمل ہے۔ کھانے پینے کا سامان اتنا وافر ہے کہ روزانہ دس اونٹ ذبح ہوتے ہیں۔ پینے کو شراب بھی کافی ہے۔ اور جملہ آرام و آسائش کے سامان فراہم ہیں۔

حضور اکرمؐ کا ایسی بے دل، نہتی اور کم تعداد کو ایسے مسلح اور کثیر دشمن سے بھڑا دینا اور پھر اللہ کی مہربانی سے فتح کر لینا ایسی مثال ہے جس کی نظیر مشکل ہے۔ اور یہ آپؐ کی زندگی کا پہلا تجربۂ کارزار تھا۔

۵۔ فتح و شکست :

دنیا نے بارہا دیکھا ہوگا کہ ایک قلیل جماعت ایک لشکر جرار پر غالب آگئی۔ لیکن ان حدود و قیود کے ساتھ آپؐ کا فتح پانا شاید دنیا بھر میں ایک ہی مثال ہو۔

آپؐ ہی کے تربیت یافتہ حضرت خالدؓ بن ولید جنگ موتہ میں ۳ ہزار مسلمانوں کے لشکر سے ایک لاکھ عیسائیوں کا منہ پھیر دیتے ہیں۔ اور فائز المرام واپس آتے ہیں لیکن اگر حالات کی میزان میں دیکھا جائے تو جنگ بدر کی فتح اس سے زیادہ شاندار نظر آتی ہے۔ وجوہ

درج ذیل ہیں :

(۱) جنگ موتہ میں پہلے مسلمانوں کے تین سپہ سالار یکے بعد دیگرے شہید ہو جاتے ہیں۔ حضرت خالدؓ کا نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کے قلیل لشکر کو اس لشکر جرار سے بچا کر ــــ پسپا ہو کر نہیں بلکہ ان کو پسپا کر کے ــــ واپس لے آئے۔ دشمن کے کتنے آدمی قتل ہوئے یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ مسلمان صرف بارہ شہید ہوئے تھے۔ جبکہ جنگ بدر میں ۷۰ اساطین کفر موت کے گھاٹ اترے اور اتنی ہی تعداد میں گرفتار بھی ہوئے۔

(۲) جنگ موتہ میں فوج پوری طرح مسلح ہو کر اور جنگ کے ارادہ سے نکلی تھی۔ جبکہ جنگ بدر کے وقت اس معرکہ کا یقین بھی نہ تھا اور فوج بھی نہتہ تھی۔

(۳) جنگ بدر میں جس فوج نے کام کیا۔ تو یہ فوج اور سپہ سالار دونوں کا پہلا تجربہ تھا۔ جبکہ جنگ موتہ سے پہلے مسلمان کئی دفعہ لڑائی کا تجربہ حاصل کر چکے تھے۔ اور حضرت خالدؓ تو اسلام لانے سے مدتوں پہلے ایک عظیم جرنیل سمجھے جاتے تھے۔

تاہم اس تقابل سے حضرت خالدؓ کی عظمت بحیثیت جرنیل کسی طرح کم نہیں ہوتی۔ اسی موقعہ پر حضور اکرمؐ نے آپ کو "سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللہ" کا خطاب دیا تھا۔ اس جنگ میں آپ کے ہاتھ پر نو تلواریں ٹوٹی تھیں۔　(بخاری - کتاب المغازی - باب غزوۂ موتہ)

فتح و شکست کے معیار پر اگر دیکھا جائے تو نپولین ہمیں ایک ناکام جرنیل نظر آتا ہے۔ بلاشبہ اس نے بہت کچھ فتوحات بھی کیں لیکن اس کی ۱۸۰۷ء کے بعد کی زندگی میں کئی مرتبہ ایسی شکست فاش ہوئی جس نے اس کی عظمت کا درجہ بہت کم کر دیا ہے۔ روس کے مقابلہ میں اسے شکست ہوئی جس میں اس کی بے تدبیری اور کم فہمی کی وجہ سے اس کی ۵ لاکھ فوج میں سے نصف سے زیادہ ہلاک ہو گئی۔ پھر انگریزوں کے مقابلہ میں واٹرلو کے مقام پر ایسی ہزیمت اٹھائی کہ خود بھی گرفتار ہو گیا۔ ایک جزیرہ سینٹ　میں جلاوطن کیا گیا۔ بالآخر اسی مقام پر سسک سسک کر ۶ سال بعد ۱۸۲۱ء میں فوت ہوا۔ گویا اس کی آخری زندگی ناکامیوں سے پُر ہے۔

اس لحاظ سے سکندر اعظم، چنگیز خاں اور حضرت خالد بن ولید ایک مقام پر نظر آتے ہیں۔ خالد بن ولیدؓ بھی ایسے عظیم جرنیل تھے کہ انہوں نے کم از کم اسلام کی زندگی میں

کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھا۔

اور حضور اکرمؐ کا مقام ان سب سے بلند ہے۔ جنہوں نے زندگی بھر دو دفعہ شکست کا منہ دیکھ کر پھر اسے فتح میں بدل دیا۔ جنگ اُحد میں نقشہ جنگ میں فوری تبدیلی کے ذریعہ اور جنگ حنین میں از سرنوئی ترتیب سے صف بندی کر کے دشمن کا منہ پھیر دیا۔ یہ واقعات آپؐ کی عظیم حربی مہارت اور حاضر دماغی کی دلیل ہیں۔

۶۔ جنگی تدابیر میں جدت:

آپؐ نے ہر معرکہ میں کوئی نہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کی۔ جس سے دشمن پہلے واقف نہ ہوتا۔ اور بسا اوقات یہ نئی تدابیر اس کے سان گمان میں بھی نہ ہوتیں مثلاً

(۱) جنگ بدر میں میدان جنگ کے انتخاب کے علاوہ آپؐ نے صف بندی اس انداز سے فرمائی۔ کہ آپؐ کا لشکر اصل تعداد سے بہت زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ اس تدبیر نے دشمن کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

(۲) جنگ اُحد میں آپؐ نے پہاڑی درّہ پر قبضہ کر کے دشمن کی تدابیر کو ناکام بنا دیا۔ پھر جب مسلمانوں کی غلطی سے یہ درّہ خالی ہو گیا اور شکست کے آثار نظر آنے لگے اور آپؐ نے اپنی قیام گاہ کے لیے پہاڑی پر ایک بلند مقام تجویز فرمایا۔ اور پورے عزم و ثبات سے لڑائی جاری رکھی۔ بالآخر دشمن ناکام واپس لوٹ گیا۔

(۳) جنگ خندق میں آپؐ نے مدینہ کے خالی حصہ کے سامنے خندق کھود کر اتحادیوں کی تمام تدابیر کو ناکام بنا دیا اور دشمن کا یہ دس ہزار کا جرار لشکر زہر کے گھونٹ پی کر ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد بالآخر ناکام واپس ہو گیا۔

(۴) جنگ خیبر میں آپؐ نے غطفان اور خیبر کے درمیان رجیع کے مقام پر پڑاؤ ڈال کر دشمن کے اتحاد کا رشتہ منقطع کر دیا۔

(۵) فتح مکہ کے دوران آپؐ نے رازداری (secracy)، نامعلوم راستوں سے سفر اور شان و شوکت کے عظیم الشان مظاہرہ سے دشمن کے تمام قویٰ کو مفلوج کر دیا اور وہ مقابلہ میں آنے کے قابل ہی نہ رہے۔

(۶) محاصرہ طائف میں آپؐ نے دبابہ اور منجنیق جیسے قلعہ شکن آلات پہلی دفعہ استعمال کر کے ہوازن اور ثقیف کے ماہر تیر اندازوں کی تدبیریں ناکام بنا دیں۔

غرض ہر نئے موقعہ پر آپؐ کوئی نئی تدبیر سوچ لیتے تھے جو دشمن کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی اور ان کی تدبیریں ناکام ہو جاتی تھیں۔ جنگی تدابیر میں ایسا مسلسل ارتقاء اور جدت ایسی خصوصیت ہے جس میں دنیا کا کوئی جرنیل آپؐ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سپہ سالار اور فوج کے باہمی تعلقات:

حضور اکرمؐ کو اپنی فوج سے پوری ہمدردی تھی۔ فوج کے دکھ سکھ اور کام کاج میں آپؐ برابر کے شریک ہوتے تھے۔ جنگِ احد میں صحابہؓ کو دکھ پہنچا تو آپؐ کو بھی دکھ پہنچا۔ احد اور حنین میں شکست کے آثار نظر آئے تو آپؐ نے یہ نہیں کیا کہ آپؐ بھی اپنی جان بچانے کی فکر کریں بلکہ میدان میں کھڑے ہو کر للکارا۔ منتشر اور پریشان صحابہ کو مجتمع کیا۔ صحابہؓ کو ایک نئی زندگی ملی جس کی وجہ سے دونوں مقامات پر جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔

ان جنگوں سے پیشتر ہجرت کے موقعہ پر آپؐ اس سے بھی زیادہ مروت و ایثار کا مظاہرہ فرما چکے تھے۔ مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم مل چکا تھا۔ اور وہ سب یکے بعد دیگرے مکہ سے مدینہ کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہر روز مصر ہوتے کہ حضورؐ بھی مدینہ چلے جائیں۔ مگر ہمیشہ یہی جواب ملتا کہ "ابھی میرے جانے کا وقت نہیں آیا اور مجھے اللہ کی طرف سے کوچ کا حکم نہیں ملا ہے۔" آپؐ کی خواہش یہ تھی کہ سب مسلمان بخیر و عافیت مدینہ پہنچ جائیں۔ تب آپ ادھر کا رُخ کریں۔ چنانچہ آپؐ نے اس وقت مکہ کو الوداع کہا جب باقی مسلمان مدینہ پہنچ چکے تھے۔ صرف آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ باقی رہ گئے تھے۔ اور جس رات آپؐ ہجرت کے لیے گھر سے نکلے تو سازشی قریشیوں کا مسلح پہرہ آپؐ کو قتل کرنے کے لیے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔

اس معیار پر نپولین بونا پارٹ کو دیکھیے۔ وہ بلاشبہ اپنے سپاہیوں کے کردار سے انفرادی واقفیت رکھتا تھا۔ فوج کے اکثر سپاہیوں کے اُسے نام تک یاد تھے۔ وہ ان سے کام لینا بھی خوب جانتا تھا لیکن آڑے وقتوں میں اسے صرف اپنی جان بچانے کی فکر ہوتی تھی۔

مصر میں انگریزوں کے مقابلہ میں عکہ کے مقام پر اسے شکست ہوئی تو اکیلا وہاں سے راہِ فرار اختیار کر کے فرانس چلا آیا۔ اسے یہ فکر لاحق نہیں ہوئی کہ اس کی فوج کس حال میں ہے۔ واٹرلو کے مقام پر اسے شکست ہوئی تو وہاں سے بھی راہِ فرار اختیار کی اور جہاز پر سوار ہونے کو تھا کہ گرفتار ہو گیا۔

حضور اکرمؐ کی فوج آپؐ کی صرف اطاعت گزار ہی نہ تھی جاں نثار بھی تھی۔ فوج اور سپہ سالار کے درمیان انس و محبت اور عزت و احترام بھی موجود تھا۔ صحابہ کرام کی اطاعت گزاری کا یہ حال تھا کہ لشکر قریش اُحد کے میدان سے کام کو ناتمام چھوڑ کر گیا تو آپؐ نے صحابہؓ کو ان کے تعاقب کا حکم دیا۔ اس جنگ میں ستر ممتاز صحابہ شہید ہو چکے تھے۔ زخمیوں کی تعداد کافی تھی۔ مدینہ میں گھر گھر صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ فوج جنگ کی تکان، زخموں کی تکلیف اور ذہنی طور پر سخت پریشان تھی۔ اس حال میں جب آپؐ نے حکم دیا تو ستّر صحابہ کرام اس کے لیے تیار ہو گئے۔ (بخاری، کتاب المغازی، غزوہ احد)

اب سکندر اعظم کی بات سنیے۔ وہ یلغار کرتا ہوا جب ہندوستان پہنچا تو سندھ کے راجہ پورس پر فتح پانے کے بعد وہ آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک مزید ڈیڑھ ماہ میں راستہ کے علاقے فتح کرتا دریائے بیاس تک پہنچ گیا۔ وہ آگے بھی بڑھنے کا مصمم ارادہ رکھتا تھا لیکن اس کی فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس نے فوج کی منت سماجت کی لیکن وہ نہیں مانی۔ آخر اس نے فوج کو اس بات کا بھی لالچ دیا کہ وہ ایشیا سے حاصل شدہ دولت سب فوج میں تقسیم کر دے گا۔ لیکن فوج نے پھر بھی اپنے سپہ سالار کی اطاعت نہیں کی۔ فوج فاتحانہ انداز میں آگے بڑھ رہی تھی۔ دل مسرور و شادمان تھے، بے شمار دولت کا لالچ بھی دیا جا رہا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود فوج کا انکار اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سکندر کو صرف اپنی فتوحات سے دلچسپی تھی فوج سے ہمدردی نہ تھی۔ فوج کو اپنے گھروں سے نکلے ہوئے اور بال بچوں سے علیحدہ ہوئے مسلسل آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ سکندر چاہتا تو پیچھے سے کمک بھی منگوا سکتا تھا، راستے میں نئی فوج بھی تیار کر سکتا تھا۔ اگر وہ سپاہیوں کے احساسات کا خیال رکھتا اور

ان میں سے نصف فوج کو ہی واپس وطن بھیج دیتا تو اس طرح اُسے مایوسی کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔

بالآخر سکندر کو فوج کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ فوج کو دو حصّوں میں تقسیم کرکے ایک کو بری راستے سے اور دوسرے کو بحری راستے سے وطن واپس پہنچنے کا حکم دے دیا۔ خود بحری راستے سے جب واپس عراق پہنچا تو بابل کے مقام پر بخار کے عارضہ سے عین جوانی کے عالم میں مرگیا۔ لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ اس بخار کا سبب بھی اس کے آگے بڑھنے کی ہوس کی ناکامی اور فوجوں کا منہ توڑ جواب ہی تھا۔

۸۔ کشور کشائی:

اگر کشور کشائی اور ملک گیری کے پہلو سے دیکھا جائے تو ہمیں سکندرِ اعظم کا مقام سب سے آگے نظر آتا ہے جس نے ۳۳۵ ق م سے ۳۲۶ ق م) میں یونان سے لے کر دریائے بیاس تک کا علاقہ فتح کرلیا۔ اور اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

اس نے مسلسل ۹ سال اسی ملک گیری میں صرف کیے۔ اس کی ملک گیری کی ہوس اتنی شدید تھی کہ اس نے تمام دُنیا کو مسخر کرنا چاہا۔ اس کی یہ آرزو ناممکنات سے تھی لہٰذا وہ اس آرزو کا پانچواں حصّہ بھی پُورا نہ کرسکا۔ اور یہی حسرت دل میں لیے مرگیا۔

(۲) اس کا مطمحِ نظر صرف جہانگیری تھا۔ قبضہ کے استحکام کی طرف اس نے کم ہی توجہ دی اور جہانبانی یا مفتوحہ علاقوں میں امن اور ان کی فلاح و بہبود کا خیال تک بھی اس کے دل میں کبھی نہ آیا۔ مورخین اس کے متعلق یوں تبصرہ کرتے ہیں کہ وہ "بادل کی طرح آیا اور برس کر چلا گیا"، یا "آندھی کی طرح آیا اور بگولے کی طرح واپس چلا گیا"۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں اس کے حملہ کی صرف تین سال بعد تک یونانی یلغار کا کچھ بھی اثر باقی نہ رہا۔ جتنے انسانوں کو اس نے تہ تیغ کیا تھا اتنے اور پیدا ہو گئے۔ اس کے ہاتھوں تباہ شدہ کھیت پھر سے ہرے بھرے ہو گئے۔ اس کا کوئی جانشین بھی اس قابل نہ تھا کہ وہ قبضہ بحال رکھ سکتا۔ لہٰذا یونانی تہذیب کا ذرہ بھر اثر ہمیں ہندوستان پر دکھائی نہیں دیتا۔

اب دیکھیے کہ اسلام کا اصل مقصد کشور کشائی نہیں بلکہ اسلامی نظامِ حیات کا نفاذ اور اس کی تحریک کو پروان چڑھانا ہے اور یہ مقصد کشور کشائی کے بغیر بھی ممکن ہے۔ جب حضور اکرمؐ مکہ سے ہجرت کر گئے اور اہل مکہ آپؐ کے وجود کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے، تب بھی اسلام مکہ میں آگے بڑھ رہا تھا۔ قریش مکہ ایک حضرت ابوجندلؓ کو صلح حدیبیہ کے بعد واپس لائے تو ان کے ذریعہ تقریباً تین سو آدمی تحریکِ اسلامی میں شامل ہوئے۔ جبکہ ابھی مکہ قریش کے زیرِ اقتدار تھا۔

اسلام کشور کشائی کی طرف صرف اس وقت توجہ دیتا ہے جبکہ کوئی ملک یا قوم تحریک کے مقاصد میں رکاوٹ کا باعث بن رہی ہو۔ اس صورت میں بھی اس کا اصل مقصد جہانبانی ہوتا ہے اور جہانگیری محض اس کا ذریعہ ہوتا ہے حضور اکرمؐ کی سپاہیانہ زندگی ۲ھ سے شروع ہو کر ۹ ہجری پر ختم ہوتی ہے۔ آپؐ نے سب سے پہلے جو علاقہ فتح کیا وہ خیبر تھا جو ۷ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد فتح کیا گیا۔ یعنی آپؐ کی سپاہیانہ زندگی کے ۷ سالوں میں سے پانچ سال بعد صرف خیبر کا محدود سا علاقہ فتح ہوا۔ جبکہ اسلام اس وقت تک اپنی ترقی کی کئی منازل طے کر چکا تھا۔ اگر کشور کشائی ہی اسلام کا مطمح نظر ہوتا تو آپؐ ابتداء ہی میں مدینہ کے مضافات کو بزورِ شمشیر فتح کر کے انہیں اپنی ریاست کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے محض کشور کشائی کوئی قابلِ تعریف فعل نہیں۔ کیونکہ فتح کے بعد ایک اسلامی حکومت پر بہت سی ذمہ داریاں آن پڑتی ہیں، دورِ فاروقی میں جب عراق و ایران کا سارا علاقہ فتح ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، "کاش! ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ حائل ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم ان پر چڑھ کر جا سکتے" (الفاروق ص ۲۳۸)

(جاری ہے)